بوئے گل سولی

صفیہ صدیقی

ابنِ صفی بچھلے تیس سال یا اس سے بھی زیادہ عرصے سے برصغیر ہند و پاک کے ہر دلعزیز مصنف تھے۔ لیکن آج اخبار میں چھوٹی سی خبر کے علاوہ ہم نے اس مصنف کے بارے میں نہ کبھی کچھ پڑھا، نہ تصویریں دیکھیں، نہ انٹرویو شائع ہوئے۔ نہ کبھی ان کے اعزاز میں عشائیے ہوئے نہ پارٹی۔ ایشیا میں اردو زبان

کا یہ ہر دلعزیز مصنف اپنی حقیقی دُنیا میں ایک گم نام زندگی بسر کر رہا تھا۔ اس نے کبھی تشہیر و رسوخ استعمال کرنے کی ضرورت نہ سمجھی اور نہ کبھی کسی اعزاز کا متمنی رہا۔ وہ صرف اپنی محنت کا ثمر حاصل کر کے مطمئن تھا۔ ابن صفی ایک بے حد دلچسپ اور زندہ دل اور مخیر انسان تھے۔ وہ میرا بہت خیال کرتے تھے۔ میرے ساتھ ان کا برتاؤ بہت مشفقانہ تھا۔ وہ جب بھی کوئی اچھی کتاب پڑھتے تھے۔ مجھے ضرور پڑھنے کو دیتے۔ ابن صفی کو میں اسرار بھائی کی حیثیت سے جانتی ہوں۔ پہلے وہ میرے رشتے کے کزن تھے۔ پھر جب میری چھوٹی بہن سلمیٰ کی شادی ان کے ساتھ ہوئی تو میرا رشتہ اور مستحکم ہو گیا۔ ابن صفی اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ ان کی دو بہنیں تھیں۔ ان میں سے بڑی بہن کا عرصہ ہوا انتقال ہو گیا تھا۔ ابن صفی کے والدین بہت مذہبی تھے خصوصاً ان کی والدہ مذہبی احکامات پر شد و مد سے عمل کرنے والی خاتون تھیں۔ ان کے یہاں دھوبی، بھنگی، بہشتی اور دودھ والے سے بھی پردہ ہوتا تھا۔ ان کی والدہ کا کہنا تھا کہ بے پردہ گھومنے والی خواتین بھی نامحرم ہو جاتی ہیں۔ ان سے بھی پردہ کرنا چاہیے۔ ابن صفی ایک بہت لائق اور فرماں بردار بیٹے تھے۔ اپنی ماں کا بے حد احترام کرتے تھے۔ میری چھوٹی بہن سلمیٰ جب پندرہ سولہ سال کی عمر میں بیاہ کر گئی تو اس نے ساس سسر کا حکم بجالانے کے ساتھ ساتھ خود کو ان کی مرضی کے مطابق ڈھال لیا۔ سلمیٰ ایک مشرقی لڑکی کا بہترین نمونہ ہے۔ وہ مشرقی ناولوں کی ہیروئن کی ایک زندہ مثال ہے جس کے سینے میں دل دھڑکتا ہے مگر زبان خاموش رہتی ہے ایک ایسی لڑکی جو خاموشی سے سب کچھ سہہ لیتی ہے کبھی اُف نہیں کرتی۔ کبھی اپنے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتی۔ کبھی کسی کی بات کا جواب نہیں دیتی۔ جو چپکے چپکے آنسو بہا کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتی ہے جو ایثار اور قربانی کا مجسم پیکر ہے ایک لڑکی جو شادی کے بعد بھی محصور زندگی بسر کرتی رہی نہ کبھی پکنک پر گئی، نہ سینما، نہ کبھی بالوں کا جوڑا باندھ کر پھول سجائے، نہ رنگ برنگ شوخ چمکیلے لباس پہنے جو اس عمر کی لڑکیاں پہنتی ہیں، نہ عطر اور سینٹ سے خود کو مہکایا، نہ لپ اسٹک چھوئی، نہ پاؤڈر لگایا، نہ کبھی نیل پالش سے ناخن . . . رنگے، نہ کبھی اپنے کپڑے خریدنے بازار گئی، نہ چوڑیاں لینے، نہ کبھی اپنے جوتے اپنے لیے پسند کیے جو کپڑا شوہر کو پسند آیا جو رنگ ان کی سمجھ میں آیا۔ انہوں نے لا کر دے دیا اور اس نے بلا کسی شکوے کے پہن لیا۔ جوانی کی ساری امنگیں، خوشیاں اور قہقہے پہلے کنوارپنے میں رسم و رواج کی بھینٹ چڑھے پھر سسرال والوں کی خواہش پر سینے میں گھٹ کر رہ گئے۔ ساس کا حکم تھا کہ کہیں بھی جاؤ کسی رشتے دار کو ملنے یا دیکھنے تو مغرب سے پہلے پہلے گھر واپس آجاؤ۔ ابن صفی ایک فرماں بردار بیٹے تھے۔ وہ ماں کی خواہش پر سر تسلیم خم کر دیتے۔ سلمیٰ کی ساس کو فوت ہوئے تقریباً دو سال ہو چکے ہیں۔ لیکن اس کے رکھ رکھاؤ میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ پاکستان میں جہاں برقعہ کوٹ بنا پھر چادر، اور اب تو یہ چادر بھی مختصر ہوتی جا رہی ہے۔ لیکن میری بہن اب بھی کالے رنگ کا برقعہ اوڑھتی ہے۔ اس کے بلاؤز لمبے ہوتے ہیں۔ جمپر ڈھیلا ڈھالا اور اس کی کسی وقت کی نماز قضا نہیں ہوتی۔ ابن صفی اپنی بیوی سے بارہ سال بڑے تھے لیکن سلمیٰ کے رہن سہن سے اس کی کم عمری کا اندازہ نہیں ہوتا۔ ہمارے مشرقی ماحول میں مرد کو دُہری زندگی بسر کرنے کا اختیار ہوتا ہے مگر عورت صرف قربانی دیتی رہتی ہے۔ غالباً ماں ہی کی تربیت کا اثر تھا کہ ابن صفی نام و نمود پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کی گھریلو زندگی بہت سادہ تھی۔ ان کا آفس عموماً بند رہتا تھا اور وہ اپنے بستر پر بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔ ایشیا کے نامور اور ہر دلعزیز مصنف جن کی کتابیں پڑھنے کا لوگوں کو ایسا چسکا تھا اور ہے کہ نئی کتاب آنے پر گھروں میں ماں باپ اور بچوں میں جھگڑا ہوتا تھا۔ کیونکہ ہر شخص یہ چاہتا کہ پہلے وہ پڑھے۔ وہ دیکھنے میں ایک سیدھے سادے آدمی تھے۔ وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں درویش آدمی ہوں، ان کی کتابوں کا انڈیا میں اردو کے علاوہ ہندی اور گجراتی اور پتا نہیں کتنی زبانوں میں ترجمہ ہوتا ہے لیکن ابن صفی کو اس کا معاوضہ کبھی نہیں ملا۔ خود پاکستان میں کتنے ہی لوگوں نے ان کی نقل کرنے کی کوشش کی لیکن جلد ہی تنگ آ گئے کہ کہاں کراچی سے لاہور اور لاہور سے پنڈی مارے مارے پھریں۔ چند سال بعد یہ چور اُچکے بھی تھک ہار کر بیٹھ گئے۔

خدا نے انہیں چار بیٹے اور تین بیٹیاں عنایت کی ہیں۔ انہوں نے سب سے بڑی بیٹی کی شادی کی اور نواسے کو کھلایا۔ ابن صفی نے اپنی شادی میں صرف ایک شرط رکھی تھی وہ یہ تھی کہ بیوی ایسے خاندان سے ہو جہاں ذہانت ہو تاکہ ان کی اولاد بھی ذہین ہو اور سلمیٰ پر ان کی نظر انتخاب پڑی تھی کیونکہ وہ احسن فیملی کے بہت مداح تھے (میرے دادا کا نام محمد احسن تھا اسی رشتے سے میری فیملی احسن فیملی کہلاتی ہے) خداوند کریم نے ان کی یہ خواہش بھی پوری کی۔ ان کے سارے بچے بہت ذہین اور ہونہار ہیں اور انہیں انشاء اللہ زندگی کے ہر موڑ پر کامیابی ملے گی۔ وہ اپنے باپ کا نام ضرور روشن کریں گے۔

ایک ایسا نامور مصنف ہونے کے باوجود جس کی کتابیں اخبار ہاتھ بک جائیں۔ ابن صفی کے گھر میں نہ محل پڑے ہیں نہ مسہریاں، نہ دبیز قالین، نہ جگمگاتے ہوئے شوکیس، نہ میوزک سنٹر اور نہ ڈی سی آر۔ ان کا گھر ایک متوسط طبقے کے مشرقی گھر کی بہترین مثال ہے، جہاں

گھر کی صفائی ستھرائی، مکینوں کی نفاست اور اعلا ذوق کا پتا دیتی ہے جس گھر میں سگھڑ پنا دکھائی دیتا ہے۔ جہاں قناعت کا سکون ہے اور خلوص کی طمانیت، جہاں مہمان کی خاطر مدارت اس گھر کے ہر شخص کا شیوہ ہے۔ جہاں چپکے چپکے سارے دکھ سہنے والی گھر کی مالکہ اپنی خوشی کا اظہار بھی دبی دبی مسکراہٹ سے کرتی ہے۔ کبھی کھل کھلا کر نہیں ہنستی اور ماں کی طرح بچے بھی باعزت اور پُروقار طریقے سے رہتے ہیں۔ نہ ان میں لالچ ہے نہ حسد نہ اپنی چیزیں دوسرے بچوں کو دکھا کر شیخی بگھارتے ہیں وہ اپنے بڑوں کی عزت کرتے ہیں اور چھوٹوں سے پیار۔

ابن صفی شاعر بھی تھے اور ترنم سے پڑھتے تھے انہوں نے اپنے کالج کے زمانے میں شعر کہنا شروع کیا تھا۔ اس وقت وہ اسرار ناروی کے نام سے لکھتے تھے۔ ان کی نظم "آخری التجا" نے ان کو حلقۂ ادب سے روشناس کرایا تھا۔ گو کہ ابن صفی اس وقت ایک طالب علم تھے لیکن جس وقت انہوں نے ایک مشاعرے میں یہ نظم پڑھی۔ ایک تہلکہ سا مچ گیا تھا۔ دوسری عالمی جنگ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ بہت سے لوگ ایسے تھے جن کے عزیز جنگ میں کام آئے تھے۔ یہ ایک جذباتی نظم ہے جس نے کتنوں کو رُلایا ہوگا۔ یہ نظم پانچ بند پر مشتمل ہے۔ میں صرف ایک بند لکھ رہی ہوں۔

ے وہ دیکھو افق کے سینے پر لہرائے شہیدوں کے دامن
پھر باندھے سروں سے اپنے کفن نکلے ہیں فرزندانِ وطن
ناموسِ وطن کی تم کو قسم للّٰہ نہ روکو جانے دو!
بن جائے گا لالہ زارِ وطن کچھ دیر میں شہدا کا مدفن

ابن صفی نے قیامِ پاکستان سے قبل الٰہ آباد سے اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کر ایک رسالہ "نکہت" نکالنا شروع کیا تھا۔ جس میں وہ مزاحیہ اور سنجیدہ قسم کے مضامین لکھا کرتے تھے۔ ایک مضمون میں انہوں نے غالب کے شعر ے

"حیران ہوں کہ دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں!"

کی پیروڈی کی تھی کہ کس طرح ان کا نوحہ گر دل کی بجائے جگر کو رونے لگا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کی شاعری پسِ منظر میں چلی گئی پھر کبھی کبھی وہ طبع آزمائی کر لیتے تھے اور انہوں نے کئی پیاری نظمیں اور غزلیں لکھیں۔ ان کی غزل کے چند شعر ہیں۔ ے

فرطِ غم سے جو رُوح گھبرائی
ہو کے بے تاب ان کی یاد آئی!!
ضبط رو کے ہے اشک آنکھوں میں
ڈوب جائے کہیں نہ بینائی
حسرتیں ڈوبتی ہی جاتی ہیں
ہائے کتنی ہے دل کی گہرائی
مجھ کو سکتہ سا ان کو حیرت سی
آئینہ بن گئی ہے یک جائی!

ابن صفی کی "جاسوسی دُنیا" بہت مقبول ہوئی۔ اس کے بعد "عمران سیریز" ہاتھوں ہاتھ لی گئی۔ ان کے تخلیق کیے ہوئے کردار "کرنل فریدی" اور "حمید" جاسوسی دُنیا کے اور "عمران" اور "ایکس ٹو" عمران سیریز کے جیتے جاگتے کردار بن گئے جو "جیمز بانڈ" "سینٹ" یا "آئرن سائیڈ" سے کسی طور کم نہ تھے۔ جاسوسی ناولوں میں مزاح کی شیرینی بھی ابن صفی کی ذہنی اپج تھی۔ کرنل فریدی اور حمید کی زبانی جھڑپیں، عمران ایک عجیم حماقت، لیکن ایکس ٹو کی حیثیت سے ایک نڈر باہمت اور بدلے والا آفیسر تخلیق کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہ تھی اگر ابن صفی لندن یا امریکا میں پیدا ہوئے ہوتے تو ان کی کتابوں کی اب تک کتنی ہی ٹی وی اور سینما کے لیے فلمیں بن چکی ہوتیں اور وہ اتنا پیسہ کما لیتے کہ ان کی سات پشتیں آرام سے کھاتیں۔

ابن صفی بہت اچھا لکھنے والے تھے اور ان کی نگاہیں زندگی کے ہر پہلو پر اتھاہ گہرائی میں جا کر دیکھ لینے کی قدرت رکھتی تھیں۔ میں نے ان سے کئی مرتبہ پوچھا کہ آپ سنجیدہ قسم کے ناول کیوں نہیں لکھتے اگر آپ اس طرف توجہ دیں تو آپ ہندوستان اور پاکستان کے چوٹی کے لکھنے والوں میں شمار کیے جا سکتے ہیں مگر ان کا یہی جواب ہوتا کہ میں عوام کے لیے لکھتا ہوں مجھے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنا ہے۔ میں ہائی کلاس کے افسانے اور ناول لکھنا افورڈ نہیں کر سکتا۔

ابن صفی نے اپنی تحریر سے جو عوام کو تفریحی لٹریچر مہیا کیا۔ وہ بھی قابلِ تعریف ہے۔ اوٹ پٹانگ سستے لچر رومانی ناول پڑھنے سے ان کی جاسوسی کتابیں ہزار درجہ بہتر ہیں۔ آج کل جبکہ پاکستان کے رسالے اخبار مغربی ترجموں سے بھرے رہتے ہیں بلکہ یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ کچھ جریدے تو محض مغربی افسانوں اور ناولوں کے ترجمے کے بل بوتے پر چل رہے ہیں۔ اردو زبان میں لکھی ہوئی یہ کتابیں ایک صحت مند متبادل لٹریچر پیش کرتی ہیں "رائیڈر ہیگرڈ" اور "اگاتھا کرسٹی" ان کی پسندیدہ مصنفہ تھیں۔ میں ان کو اکثر پاکستان کا MALE اگاتھا کرسٹی کہہ کر چڑاتی تھی۔ جس سے وہ بہت محظوظ ہوتے تھے انہیں "ٹی ایس ایلیٹ" سے ملنے کا بہت شوق تھا لیکن ایلیٹ صاحب فوت ہو گئے اور وہ انگلستان نہ جا سکے تھے۔ رائیڈر ہیگرڈ سے وہ بہت متاثر تھے مجھے یاد ہے کہ اس کے ناول "شی" کا اردو ترجمہ "روح کا سفر" "اسرار

بھائی نے لاکر دیا تھا۔

ابنِ صفی خود کو درویش کہتے تھے انہیں نام و نمود کا شوق نہیں تھا۔ وہ کہتے تھے میں کسی کی خوشامد نہیں کرتا اور نہ کسی کا احسان لینا پسند کرتا ہوں۔ پندرہ سال سے میں نے ٹیلی فون کے لیے درخواست دی ہوئی ہے اب بھی میرا نمبر آئے میں کوئی دوسرا ذریعہ استعمال نہیں کرنا چاہتا ہوں۔

اتنے مشہور ہر دلعزیز مصنف کی طرف سے پاکستان ٹیلی ویژن کی بے اعتنائی کی وجہ میری سمجھ میں آج تک نہ آئی۔ جاسوسی دنیا یا عمران سیریز کی سیریز شروع کر کے یقیناً پاکستان ٹی وی دیکھنے والے عوام کو تفریحی مشغلہ مہیا کر سکتے تھے لیکن امریکن اور انگلش فلمیں جس میں جگہ جگہ سنسر کی قینچی چلانی پڑتی ہے اب تک دکھائی جا رہی ہیں۔ کرنل فریدی اور حمید یا عمران کو جیتا جاگتا روپ دینا آسان نہیں اس کا مجھے اعتراف ہے مگر ایک دفعہ صحیح کردار مل جائیں تو کامیابی یقینی ہے۔

ابنِ صفی نے اپنے کسی دوست کی فرمائش پر ایک فلم اسٹوری بھی لکھی تھی جو "دھماکہ" کے نام سے فلمائی گئی تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ کہانی میں نے لکھی، مکالمے لکھے، گانے لکھے، حتیٰ کہ ہیروئن کے کپڑے بھی میں نے ڈیزائن کیے۔ "دھماکہ" بھی یوں ہی متعلقہ حضرات کی بے اعتنائی کی نذر ہو گئی۔ اس فلم میں ابن صفی نے ایک بہت دلچسپ تجربہ کیا تھا۔ انہوں نے میر کی غزل "الٹی ہو گئیں سب تدبیریں" کو مغربی دھن پر ریکارڈ کرایا تھا اور شیکسپیئر کی ایک سوئیٹ کے طرز پر گائی گئی تھی۔ ہمارے لیے کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ایسے آدمی جو اتنی خوبیوں کے مالک ہوں۔ ان سے صحیح طور پر استفادہ نہیں کیا جاتا۔ اپنے ملک کی صلاحیتوں کو ڈھونڈنے کی بجائے ہمارے یہاں مغربی لٹریچر کا کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے قوم کے نوجوان لڑکے لڑکیوں کے ذہنوں کو پراگندہ کیا جاتا ہے پھر ہم روتے ہیں کہ نئی نسل بے راہ رو ہو گئی ہے۔

اسرار بھائی مشرقی قدروں کے حامی تھے۔ انہیں اپنے رسم و رواج اور طرزِ زندگی بے حد پسند تھا یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابوں میں کہیں گھٹیا قسم کی حرکتیں یا مکالمے نہیں ہوتے۔ ۱۹۶۹ء میں ان کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا اور وہ تین سال تک بیمار رہے اور کوئی کام نہ کر سکے تھے۔ اس دوران انہیں اپنے دوستوں کی اصلیت کا احساس ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ تین سال کے عرصے میں کمبخت کوئی پھٹکا نہیں، خیریت تک نہ پوچھی کتنے ہی لوگ ایسے تھے جو میرے قرض دار تھے وہ بھی غائب ہو گئے۔ انہیں اپنے دوستوں کی خود غرضی سے شدید دکھ پہنچا تھا۔

اسرار بھائی نے چند سال قبل یہ شعر مجھے اپنے خط میں لکھے تھے۔

آج کی رات کٹے گی کیوں کر ساز نہ جام نہ تو مہمان
صبح تلک کیا جانیے کیا ہو، آنکھ لگے یا جائے جان
پچھلی رات کا سناٹا کہتا ہے اب کیا آئیں گے
عقل بھی کہتی ہے سو جاؤ دل کہتا ہے ایک نہ مان
ان کی باہوں کے حلقے میں عشق بنا ہے بیر طریق
اب ایسے میں بتاؤ یار وکس جا کفر کدھر ایمان
ملک طرب کے رہنے والو یہ کیسی مجبوری ہے
ہونٹوں کی بستی میں چراغاں دل کے نگر اتنے سنسان

پچھلے چند سال سے خداوند کریم نے ہمیں سخت آزمائش میں ڈال رکھا ہے پہلے ہمارے مشفق ہم پر جان چھڑکنے والے بابا ہم سے جدا ہو کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ابھی ہمارے آنسو خشک بھی نہ ہو پائے تھے کہ ہمارے بھائی جان نے بھی اس دنیائے فانی کو خیرباد کہا۔ بابا کے انتقال کی خبر سن کر میں نے آنسو بہائے لیکن ٹھیک سے نہ رو سکی لیکن سال بھر تک کوئی رات ایسی نہ گزری ہو گی جب میں بھائی کو یاد کر کے سسک سسک کر نہ روئی ہوں گی۔ بھائی جان جنہیں کبھی بیمار نہیں سنا تھا۔ ان کی جدائی کی خبر سن کر مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے تناور درخت کو جڑ سے نکال پھینکا ہو۔ مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ بھائی جان ہم میں نہیں ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ اب بھی لاہور میں ہیں۔ مجھ سے ہزاروں میل دور لیکن ان کی ذات کی تقویت مجھے یہاں محسوس ہوتی ہے ان کی خاموش مسکراہٹ میرے دل کو مسوس کر رکھ دیتی ہے۔

ابھی چند ماہ قبل کی تو بات ہے اسرار بھائی صحت یاب ہو کر اسپتال سے آ چکے تھے چہرے پر کمزوری تھی مگر بشاشت بھی۔ وہ خوب گرم کپڑے پہنے پوسٹ آفس جانے کے لیے کھڑے تھے میں ان کو دیکھ کر بہت ہنسی تو بولے "ہلال کا حکم ہے کہ میں گاڑی پر بھی جاؤں تو خوب پہن اوڑھ کر جاؤں۔"

ہم سب کو معلوم ہے کہ موت سے کسی کو رست گاری نہیں۔ آگے پیچھے سب کو جانا ہے یہ دنیاوی جھمیلے، یہ محبتیں، یہ رشتے ناتے سب فانی ہیں ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہر شخص اپنے اعمال کے لیے خود جواب دہ ہو گا لیکن یہ سب جانتے ہوئے اور ان پر ایمان رکھتے ہوئے بھی ہم جانے والوں کے لیے کیوں روتے ہیں؟ کیا یہ ہمارے ایمان کی کمزوری ہے۔

خداوند عزوجل ہم سب کو ایمان کی قوت عطا فرمائے تاکہ ہم اس کے احکام کی تعمیل میں انسانی کمزوریوں پر قابو پا سکیں اور اس کے فیصلوں کو بسر و چشم بغیر روئے دھوئے قبول کریں۔ آمین۔